حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ

پر چند بعض خطوط کی روشنی میں

★ مولانا حکیم محمد عرفان الحسینی ★

رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں: "موت سے کسی کو مفر نہیں" لیکن جو لوگ ملّی مقاصد کی تائید و حصول میں تادم آخر کام کرتے رہتے ہیں وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پائیں ان کی وفات قبل از وقت اور تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے" (گنجہائے گرانمایہ)

حضرت مفتی عتیق الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ پر یہ جملہ مکمل طور پر صادق آتا ہے مفتی صاحب نے اپنی زندگی ملک و ملّت کی خدمت ہی کے لئے وقف کر دی تھی۔

حضرت مفتی صاحب ایک بڑے باپ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (جن کے قلم سے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار فتوے لکھے گئے) کے بڑے بیٹے تھے، مفتی صاحب کی پیدائش ۱۳۱۹ھ ہجری میں دیوبند میں ہوئی، تاریخی نام "ظفر الحق" ہے، ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا، شروع سے اخیر تک دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۴۱ھ ہجری میں فارغ التحصیل ہوئے دو سال وہیں رہے، پھر دار العلوم اسلامیہ ڈابھیل گجرات چلے گئے وہاں پانچ سال تک افتاء اور تدریس کے فرائض انجام دیئے، ۱۹۳۰ء میں باقاعدہ سیاسی زندگی شروع کی اور انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک نمک سازی کے زمانہ میں سیاسی دلچسپی کے باعث ڈابھیل چھوڑ دیا اس دور میں ان کے دو اہم فتوے شائع ہوئے جنھوں

نے تاریخ آزادی ہند میں بہت اہمیت حاصل کی ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۷ء تک کلکتہ میں قیام رہا درس وافتاء کا مشغلہ تھا دورانِ قیام کلکتہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ سے بہت قربت ہوگئی تھی جو اخیر تک قائم رہی، ۱۹۳۸ء میں دہلی تشریف لے گئے اور ایک علمی ادارہ "ندوۃ المصنفین" کے نام سے قائم کیا اسی زمانے میں دو کتابیں علامہ ابن تیمیہ کی "الکلم الطیب" کا ترجمہ تشریحی نوٹ کے ساتھ اور علامہ ابن جوزی کی "صید الخاطر" کا ترجمہ کیا ایک سنجیدہ باوقار علمی پرچہ "برہان" کے نام سے جاری کیا ایڈیٹر خود رہے پھر کثرتِ مشاغل کی بنا پر مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کو ایڈیٹر بنا دیا مولانا اکبر آبادی کی ادارت کے زمانے میں بھی بار ہا کے "نظرات" مفتی صاحب کے رشحاتِ قلم کے رہینِ منت رہے۔ حضرت مفتی صاحب نے غیر ممالک کے بھی کافی دورے کیے بعض جگہوں پر اپنے ملک ہندوستان کی نمائندگی کی اور بعض ممالک کا دورہ ذاتی دعوت پر کیا، رابطہ عالم اسلامی میں شرکت انڈونیشیا کا سفر اور روس و پاکستان و بغداد کے دورے خصوصیت کے حامل ہیں

ہندوستان کے اکثر و بیشتر علمی، سماجی، ثقافتی، مذہبی اداروں سے منسلک رہے، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ دہلی سے تو روح و جسم کا سا تعلق تھا، انجمن ترقی اردو، جامعہ اردو علیگڑھ، غالب اکیڈمی، دہلی سے بھی متعلق رہے کلکتہ کی ایران سوسائٹی کے ممبر رہے مسلم لیگ کو کبھی اختیار نہیں کیا بلکہ سب سے بڑی آزمائش یہ تھی کہ ان کے حقیقی چچا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جو مسلم لیگ کے بانی و رہنما تھے ان سے سیاسی ناپسندیدگی مول لی جس کا حضرت مفتی صاحب کو بہت احساس تھا اس کے باوجود زہر ہلاہل کو قند نہیں کہہ سکے۔ ہمیشہ کانگریس میں رہے اور ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں کانگریس کے نظریات کو مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتے رہے، جمعیۃ علماء ہند میں عمر کا بیشتر حصہ صرف کیا اور اخیر میں مسلم مجلس مشاورت میں شریک ہوئے مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاسیس میں پیش پیش تھے اسکے صدر بھی رہے۔

حسنِ تدبیر، خودداری، آزادیٔ ضمیر، حریت نفس، معاملہ فہمی، نکتہ رسی، اور فقہی دقیقہ سنجی ان کے مخصوص اوصاف تھے، نگارش میں مفتی صاحب ایک خاص طرز کے موجد ہیں، شگفتگی اور برجستگی سادگی و چاشنی اسکی بنیاد ہیں، چبھتے جملے جس میں تلخی و شیریں کا مناسب امتزاج تو ہو جاتا مگر تلملاہٹ سے مخاطب بچا رہتا ہے، مفتی صاحب کی تحریروں میں محبت آمیز طنز میں جو چاشنی ہوتی اس لذت سے آشنائی شاید ہی کسی دوسرے صاحب قلم کے یہاں ہو، مفتی صاحب کے بے شمار خطوط اس پر شاہد ہیں۔

ریڈیو پر تقریروں کا ایک مجموعہ جو لکھکر پڑھی گئیں "منارِ صدا" کے نام سے ڈاکٹر عثمان چشتی ریڈر جامعہ ملیہ دہلی نے مرتب کرکے شائع کیا ہے، تحریر ہی کی طرح تقریر پر بھی مفتی صاحب کو ملکہ حاصل تھا، لمبے لمبے موضوعات پر بڑی دلکش بصیرت افروز اور فیصلہ کن اور دلوں میں گھر کر لینے والی انکی سیاسی، سماجی اور مذہبی تقریریں آج بھی لوگوں کے کانوں میں رس گھول رہی ہیں اور جنھیں سنکر بہت سے لوگوں کی زندگی میں انقلاب آگئے۔

حضرت مفتی صاحب نے حیات مستعار کے دن دیوبند سے باہر گجرات، بنگال اور دہلی میں گزارے، تینوں جگہوں سے انھیں قلبی انسیت تھی کلکتہ تو ہر سال مفتی صاحب کی آمد ہوتی اور پندرہ دن کے لگ بھگ ضرور قیام فرماتے اور ان پندرہ دنوں میں اپنے کو ایسا محسوس کراتے کہ "بسنے والے تو کلکتہ ہی کے ہیں"، چند دنوں رہنے کے لئے باہر چلے گئے تھے، کلکتہ والے بھی انھیں لوٹ کر چاہتے تھے، مہینوں پہلے سے ان کا انتظار اور تذکرہ شروع ہو جاتا جب آتے تو لوگ حاضرِ خدمت ہو کر نیاز حاصل کرتے ہی مگر حضرت مفتی صاحب بھی بعض مواقع پر مجبوری اور اخیر میں پیرانہ سالی کے باوجود بھی اسکی کوشش کرتے کہ خود بھی تشریف لے جاکر ملیں۔

لحاظ و مروت کا تو گویا "پیکر" تھے بعض شفقتیں خود آگے بڑھکر فرمادیا کرتے دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ کے موقع پر شدید بیمار تھے ایک لمحہ کیلئے بھی جلسہ گاہ نہ جاسکے، خاموش گم صم پلنگ پر پڑے ہوئے تھے، دن بھر کچھ بھی نہیں کھایا بھوکے پڑے رہے جب ہم لوگ کمرے

میں واپس آئے تو اپنے نہ کھانے اور بھوکے رہنے کا اشارہ تک نہیں کیا، کسی طرح رات کو پتہ چلا تو حضرت مفتی صاحب کو یہ احساس کہ میری خامشی کی وجہ سے یہ سارے بچے شرمندگی میں پڑے ہیں"

میں جب اپنی پگڑی جو مجھے ملی تھی لے کر قیام گاہ پر آیا تو آواز دی، بلایا اور پگڑی ہاتھ میں لیکر دیکھی اور میرا سر اپنی طرف کر کے اپنے ہاتھوں سے عمامہ باندھ دیا اور فرمایا "تھوڑی دیر ایسے ہی باندھے رہو دیکھنے کو جی چاہتا ہے"۔

میرے والد محترم الحاج حضرت مولانا حکیم محمد زماں صاحب حسنی حضرت مفتی صاحب کے پچاس سالہ نیازمند ہیں حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۸۲ء تک اپنے دست مبارک سے ان کے نام بے شمار خطوط جن میں گھریلو معاملات، ملکی حالات، مذہب و سیاست کی باتیں انھوں نے ایک خاص انداز میں سپرد تحریر فرمائی ہیں۔ اس مضمون میں ان کے چند خطوط کے اقتباسات درج ہیں مفتی صاحب مرحوم کی زندگی کے چند گوشے بھی اجاگر ہوتے ہیں۔

مرحوم مفتی صاحب افراد و اشخاص کے بارے میں اپنی نپی تلی جنچی رائے رکھتے تھے اس کا اظہار زبان اور تحریر سے بھی کرتے تھے ذیل میں چند وہ نگارشات ہیں، جن میں انھوں نے بعض لوگوں سے اظہار تعلق کیا ہے۔ کلکتہ کے مشہور تاجر شیخ فیروز الدین مرحوم کے بارے میں انکی وفات پر ایک خط میں تحریر کیا ہے:

"کیا لکھوں، دل پر کیا گزری ہے دل بے قرار ہو گیا آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے مرحوم کو مجھ سے جو غیر معمولی علاقہ تھا آپ اس سے بخوبی واقف ہیں یہ تعلق کم و بیش چالیس سال سے تھا، اور لیل و نہار کی کوئی گردش اس کو مضمحل نہیں کر سکی، فیروز صاحب اس دنیا میں نہیں لیکن ان کے کمالات اور غیر معمولی خصوصیات ہمیشہ یاد رہیں گے، کیسے باوضع شریف کشادہ دست و خندہ جبیں بزرگ تھے سچ تو یہ ہے کہ اپنی مثال آپ تھے"

ان کے چھوٹے بھائی خان بہادر شیخ محمد جان مرحوم کی وفات پر ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مرحوم سے میرے تعلقات کی مدت نصف صدی کے قریب ہے اس طویل مدت میں بڑے بڑے نشیب و فراز رہے مگر ہمارے تعلقات میانہ روی کے انداز سے قائم رہے بہت لحاظ کرتے تھے سیاسی اور مذہبی دونوں اعتبار سے راسخ العقیدہ تھے، ان کے اٹھ جانے سے ایک دور کا خاتمہ ہوگیا"۔ کلکتہ ہی کے ایک اور صاحب تاجر منیجر شیخ محمد یعقوب صاحب کی وفات پر لکھتے ہیں: مرحوم غیر معمولی خصوصیات کے امین تھے، تجربہ کار، فہیم، کام کرنے والے"

راقم الحروف کے دادا حضرت مولانا حکیم وزیر علی علیہ الرحمۃ جو صاحب رشد و ہدایت بزرگ حاذق طبیب تھے انکی وفات پر تحریر فرماتے ہیں: مرحوم سے بارہا ملاقاتیں ہوئی ہیں ان کی بزرگی اور سادگی کا نقشہ آنکھوں میں گھوم رہا ہے"۔

انہی دنوں میرے خاندان میں یکے بعد دیگرے موت کے کئی حادثے ہوئے اس پر یوں تسلی کے کلمات تحریر فرمائے "آپ کی آشفتگی اور پریشانی کا قدرتی طور پر ہم لوگوں پر بھی اثر ہے اللہ تعالیٰ اطمینان میسر فرمائے گردش لیل و نہار سے تو مفر نہیں تاہم یقین ہے کہ یہ پریشانیاں عارضی ثابت ہونگی اور آپ جیسا مخلص زیادہ پائمال نہیں ہوگا اپنا تجربہ تو یہی ہے کہ ناگواریوں اور تلخیوں کی تیز و تند ہواؤں اور گھٹا گھوپ اندھیروں کے بعد نسیم سحر کے نرم و سبک گام جھونکے بھی ضرور آتے ہیں بشارت ہے ان کے لئے جو دونوں حالتوں پر دامن صبر و شکر تھامے رہتے ہیں، میرے خسر ممتاز عالم دین خادم قرآن، حافظ مولانا محفوظ الرحمن صاحب نامی کی وفات پر تحریر فرماتے ہیں "مرحوم کی خوبیاں رہ رہ کر یاد آتی ہیں، عالم باعمل اور دھن کے پکے اور سچے مسلمان تھے، حق و صداقت اور آزادیٔ ضمیر کی راہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں ذہن رسا، اور تعمیری پایا تھا، قلب جذبات اسلامی سے معمور تھا اپنے رنگ کے ایک ہی شخص تھے، خواجہ محمد یوسف صاحب (جو اب کلکتہ ہائی کورٹ کے جج ہو چکے ہیں) جب ڈی، آئی آر میں ۱۹۶۵ء میں گرفتار ہوئے تو راقم الحروف کے نام ایک خط میں حضرت مفتی صاحب ارقام فرماتے ہیں: خواجہ صاحب کو کارڈ لکھدیا ہے تعلق خاص رکھتے ہیں شاہ وصی الدین احمد صاحب کی

وساطت سے گذشتہ سال انھوں نے خاصے اہتمام سے چائے پر بھی بلایا تھا شاید تم بھی ساتھ تھے خواجہ صاحب سے میرا سلام کہیے بڑی خوبیوں کے شخص ہیں، ایسے حضرات کو جیل کا تجربہ ہو اس سے قوم میں زندگی آتی ہے مگر حکومت کی بے سمجھی پر افسوس ہوتا ہے ایک سیکولر جمہوری نظام میں ایسے اقدامات افسوسناک ہوتے ہیں بہر حال حالات کا مقابلہ کرنا ہے"۔

آزاد ہند اخبار کے ایڈیٹر جناب الحاج احمد سعید صاحب ملیح آبادی سے گھریلو تعلقات اور خاندانی روابط تھے اکثر و بیشتر خطوط میں ان کا ذکر اور سلام موجود ہے ان کے بارے میں لکھتے ہیں: احمد سعید صاحب نے دلچسپ مضمون بنالیا خوب سلیقہ رکھتے ہیں ان سے سلام کہیے، ایک دوسرے خط میں ہے احمد سعید صاحب سے آپکی خیریت مجملاً معلوم ہوئی تھی، اس دفعہ یہاں (دہلی) ان سے ملاقات نہ ہونے کے برابر رہی وہ ٹھہرے بھی کم، ان کے پاس جانے کا ارادہ تھا مگر کاموں کے ہجوم میں موقع نہیں ملا۔ کسی روز آئیں تو سلام فرمادیجئے اور ملاقات کے اختصار پر اظہار افسوس" حضرت مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم جب دہلی چھوڑ کر کلکتہ آگئے تو ان کی جدائی پر اظہار رنج وغم کرتے ہوئے مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "ملیح آبادی صاحب سے ملاقات ہوتی ہوگی بہت یاد آتے ہیں احمد سعید صاحب کی معرفت ان سے سلام کہلائیے"

جمیعۃ العلماء ہند کا سالانہ اجلاس الہ آباد میں ہوا جس میں خطبہ حضرت مفتی صاحب مرحوم نے دیا، اس کا تذکرہ کس قدر سادگی اور بے تکلفی سے کرتے ہیں لکھتے ہیں: "الہ آباد کا اجلاس بڑا ہی شاندار رہا خطبہ عام طور پر توقع سے زیادہ پسند کیا گیا اور پڑھنا اس سے زیادہ۔ منتظمین نے ایک "عبا" بھی دی آپ سے پوری بے تکلفی ہے اس لئے لکھ رہا ہوں جمیعۃ علماء کے سالانہ اجلاس میں ہمارے قومی چیتوں اور شیروں نے اپنی بے ہنگام گرج کے جو جوہر دکھائے اس کے احساس سے اب بھی تکلیف ہوتی ہے" اچھا ہوتا "مجاہد ملت" اس طرح کی تجویزوں کو ہم جیسے ٹھنڈے دماغ لوگوں کے حوالہ کردیتے لیکن شاید اس گھر کی رونق ہنگامے پر ہی موقوف ہے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن رحمۃ اللہ کے انتقال کے بعد جمعیۃ العلماء ہند میں انتشار پیدا ہوا حضرت مفتی صاحب اسکی زد میں آئے جو انکی افتاد طبع کے خلاف تھا، مختلف خطوں میں پریشانی اور بیزاری کا اظہار یوں کیا ہے: جمعیۃ کی صدارت کا مسئلہ بیٹھے بٹھائے میرے گلے کا ہار بن گیا شدید روحانی اذیت محسوس کر رہا ہوں۔ مولوی سعید نے تو لکھا ہے "سرے سے جمعیۃ ہی چھوڑ دو اور نام واپس لے لو" واقعہ یہ ہے کہ اگر مجھے اطمینان ہو جائے کہ نام واپس لینے سے انتشار دور ہو جائے گا تو ایک منٹ کی دیر نہیں لگاؤں گا" ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: صدارت کے مسئلہ نے کیسی عجیب صورت حال اختیار کی ہے اور آدمی بھی کس طرح مصیبت میں پھنستا ہے، تینتالیس سال جمعیۃ سے وابستگی کو ہو گئے ہیں اس پوری مدت میں کبھی بھی کسی منصب اور عہدے کا قلب میں "فطور" تک نہیں ہوا، حالات کے موڑ سے اثر پذیر ہو کر کسی صوبے نے میرے علم و اطلاع کے بغیر از خود نام پیش کر دیا بس کیا تھا قیامت برپا ہو گئی، ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں: میں کوئی بات دل میں نہیں رکھتا کیونکہ "خاک میں عشاق کے غبار نہیں ہے" جمعیۃ علماء سے میرا تعلق عہدے کا نہیں خدمات کا ہے اور عمر کا بڑا حصہ اسی چھانی ہوئی خاک کو سر پر ڈالنے میں گذرا ہے" اسی سلسلہ میں ایک دوسرے خط میں رقمطراز ہیں: مجھ پر جمعیۃ کی موجودہ گروہ بندی کا حد درجہ ناگوار اثر ہے اس لئے مزاج میں قدرے تلخی آگئی ہے ؎

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

بالداروں کی دریوزہ گری سے حضرت مفتی صاحب کو شدید نفرت تھی اس سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، خصوصیت سے تو اپنی ذات کے لئے اس کو عاری ہی سمجھا، تحریر فرماتے ہیں: بڑی مشکل یہ ہے کہ روپیہ کی قیمت گرتی جا رہی ہے اور ضروریات ہیں کہ بڑھتی جا رہی ہیں لیکن طوفان کی انہی موجوں سے گذر کر اپنا راستہ بنانا ہے اللہ تعالیٰ کارساز مطلق ہے بلاشبہ وہ ہماری اور ہمارے حالات کی اور ہماری ضرورتوں کی نگرانی فرماتے ہیں، دعا ہے اپنے بچوں کی دیکھ بھال

حسب منشا کر سکیں اور ارباب ثروت کے چہرے کے شکنوں سے بے نیاز ہو جائیں، اسی سلسلہ میں ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں: آزاد معاش قدرت کا نہایت ہی گراں قدر عطیہ ہے اور اس "جام سفال" کے مقابلے میں "جام جم" کی کوئی حقیقت نہیں ہے"۔ ندوۃ المصنفین کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کی خواہش رہی کہ ارباب کلکتہ نے ہی بیج ڈلوایا تھا اب وہی اسے شجر بار دار بنائیں اس سلسلہ میں ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: کلکتہ بڑی جگہ ہے اور جہاں تک ندوۃ المصنفین جیسے ادارے کے حلقوں کا تعلق ہے بہت سے غیر تاجر حضرات بھی اس میں شریک ہو سکتے ہیں اس کام میں سالک صاحب بھی خاصی امداد کر سکتے ہیں۔

بے جستجو ملے گا نہ اے دل سراغ دوست
تو کچھ تو قصد کر، تیری ہمت کو کیا ہوا

ایک خط میں مختلف پریشانیوں سے بھرپور حالات لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ان حالات میں غور فرمایئے ادارے کی گاڑی کو کھینچنا کوئی سہل کام ہے؟ حالات کی ناسازگاریاں شباب پر ہیں تاہم اپنی بساط کے مطابق اس مفید اور اہم تعمیری خدمت کے سروں کو تھامے ہوئے ہوں، سچ تو یہ ہے کہ بام حرم کے کبوتر مرغ رشتہ بریاں کے تڑپنے کا اندازہ کر ہی نہیں سکتے"، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: حکیم صاحب محترم! واقعہ یہ ہے کہ آپکے اس ادارہ کی مثال نہ ہندوستان میں ہے اور نہ پاکستان میں جب کبھی اس کے علمی کارناموں کی تاریخ لکھی جائے گی تب لوگوں کو اندازہ ہوگا کہ ایک معمولی انسان نے ملت کیلئے کیا کام کیا؟ لیکن یہ سب باتیں اس وقت سامنے آئیں گی جب دنیا میں میں نہیں رہوں گا۔ حضرت مفتی صاحب نے دنیا کے بیشتر حصوں کا سفر کیا ہے جہاں بھی گئے وہاں اس ملک کا تاریخی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی جائزہ لیا اور مطالعہ کیا والد صاحب محترم کے نام بعض خطوط میں اس طرح کی بھی تحریریں ہیں، سفر روس سے واپسی پر ایک خط میں رقمطراز ہیں: یہ واقعہ ہے کہ رشین گورنمنٹ نے معاشی اور اقتصادی مسائل کو جس انداز سے حل کیا ہے اس کے نتیجہ میں بے روزگاری کے مصائب تقریباً ختم ہو گئے ہیں روزگار کام کرنے والوں

کو آواز دیتا ہے، کسی چیز میں ملاوٹ کا نام نہیں ہے ضروریات زندگی کے حصول میں کوئی دشواری نہیں ہے جبر و قہر کا دور گذر چکا ہے سب لوگ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں مذہبی حالت بھی پہلے سے بہتر معلوم ہوتی ہے ملک کی ترقی میں سب ہی شریک ہیں مذہب اور طبقے کی بنیاد پر کسی کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں ہے اب علماء کی ذمہ داری یہ ہے کہ مذہب کی روحانی قدروں کو دل پذیر قالب میں بیان کریں، سعی و جہد کے فضائل و برکات ظاہر کریں اور یہ کہ مذہب معاشی اور اقتصادی ترقیات کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے "لیس للانسان الا ما سعیٰ" قرآن پاک کا دائمی اصول ہے۔ اسلام کو بے عملی اور جمود سے بیر ہے مگر ہمارے یہاں تو مذہب کی بیروی کا کچھ اور ہی مطلب ہے"

اس کے بعد ہندوستانی مذہبی ذہن کی عکاسی کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

بے فکرے تو اس وقت صرف خانقاہیں ہیں اور تعویز گنڈے کے مرکز ہیں بے پناہ آمدنی اور بے حساب خرچ — عقل حیران ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے کمال یہ ہے کہ دینے والے لاکھوں روپئے دے رہے ہیں اور اسی کو سب سے بڑا کار خیر سمجھتے ہیں مقصد کسی پر اعتراض نہیں، سوال یہ ہے کہ کیا مسلم قوم اسی کام کے لئے رہ گئی ہے؟ میری رائے میں تو یہ لچھن پنپنے کے نہیں ہیں، مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ قوم کی درماندگی اور پس ماندگی کی نشانی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے مذکورہ بالا چند خطوط کے اقتباس سے مفتی صاحب کے ایک خاص گوشۂ فکر اور حالات زندگی سامنے آتے ہیں نیز حضرت مفتی صاحب نے والد محترم سے کس قدر سادہ اور بے تکلف گیرائی اور گہرائی سے بھرپور تعلق عرصہ دراز تک رکھا اور نبھایا ہے اس کا اندازہ لگانے کے لئے بھی مذکورہ بالا اقتباسات کافی ہیں . . .